© rasailojaraid.com

پیدا ہوتا ہے وہ اہلِ سعادت کے اس ہی اولین درجہ کے مثل تھا۔ نسمہ کی تہذیب اور روحِ طبعی کے آئینہ کی شفافیت۔ تشویشات اور اضافات حیاتیہ سے آزاد و مطمئن ہو جانے پر پیدا ہوا کرتی تھی اور وہ نزع موت کے یقین اور تمنائیں دفن ہو جانے سے پیدا ہو گئی۔ نتیجہ وہ ہی کشف و یقین ہونا چاہیئے تھا جو خطیرۂ قدس سے عنصری جذب و کشش رکھتا ہو۔ بس یہ ہی وہ حقیقت ہے جو موت پر جذبِ روحانی کی تخلیق کرتی ہے مگر کسی منظر کو سامنے نہیں لاتی اور یہ ہی وہ اعترافِ حقیقت تھا جسے دنیا کی دلچسپیوں میں ایک مرتبہ پہلے بھی فراموش کیا جا چکا ہے۔ اگر نزع کی کشمکش کو دوبارہ زندگی میں تبدیل کر دیا جائے تو زندگی کی مقناطیسی جاذبیت اس کی توجہات کو پھر حقیقت سے ہٹا کر فریب و مغالطہ کی ٹھوکروں میں ڈال دے گی اور جو وعدہ اس نے نزع کی حالت میں کیا تھا وفا نہ ہو سکیگا۔ زندگی کی دلچسپیاں انسانی دل و دماغ کو ماؤف کرنے کی اس قدر طاقت رکھتی ہیں کہ کوئی یقین ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہم جانتے ہیں کہ دادِ عیش دینے سے صحت خراب ہو کر زندگی موت سے بدتر ہو جاتی ہے مگر فردوسِ گوش اور جنت نگاہ میں پہنچتے ہی ہم از خود رفتہ ہو جاتے اور ہر حقیقت کو ٹھکرا کر دادِ عیش دینے لگتے ہیں کیوں؟ اس لئے نہیں کہ یقینی نتیجہ کا کوئی عمیق ترین اعتقاد بھی ہمارے جذبات میں زندہ نہیں بلکہ "نسیہ" کو "نقد" پر ترجیح نہ دینے کا جو بالیخوبیا گوناگوں انجذابات نے پیدا کر دیا تھا وہ حقیقت کی بجائے فریبِ نظر کو بوسہ دینا ہی پسند کرتا ہے اور یوں وہ تمام یقینات علمی دنیا میں بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں جن کو جمالیاتی موثرات اور نفسیاتی انجذابات کی قید و بند سے باہر آ کر ہم پوری طرح محسوس کرتے اور رنج و تاسف کے عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں یہ ہی وہ نکتہ ہے جس کا قرآن نے ذکر کیا اور یہ ہی وہ کشف ہے جو موت کے وقت محسوس ہوتا اور زندگی میں فراموش ہو جاتا ہے۔ حقیقت کا منظر نہ سامنے آتا ہے نہ فراموش ہوتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ کسی نہ کسی حد تک اس مسئلہ پر جو کچھ عرض کر چکا ہوں وہ کافی ہوگا لیکن اگر کسی علمی تنقید نے مجبور کیا تو دوسرے پہلو بھی روشنی میں لانے کی کوشش کروں گا۔

(باقی دارد)

© rasailojaraid.com